عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

شوال ۱۴۲۶ھ/نومبر 2005ء

زیر سرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم
بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)
مدیر مسئول: ثاقب علی خان
مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ،
بشیر احمد طارق، قاضی فضلِ واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

Reg No: P 476

جلد چہارم: شمارہ : 3

فہرست

عنوان	صاحبِ مضمون	صفحہ نمبر
اصلاحِ نفس	حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوریؒ	3
آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور احترام و ادب کا وجوب اور اس میں اکابرِ صحابہ کرامؓ کا عمل	ثاقب علی خان	7
مقدونیہ کا سفرنامہ (قسط: 6)	پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی	11
8 اکتوبر اِک لمحۂ فکر	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	17
دعوتِ فکر	عزیز احمد صاحب	19
ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور اُن کا شرعی حل	ڈاکٹر فہیم صاحب	22
مہمانی..سُنتِ انبیاء علیھم السلام	حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ	24
اہلِ سُنت والجماعت	حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ	26
جنوبی افریقہ سے ایک خط	پروفیسر ڈاکٹر سیّد سلمان ندوی	31
جناب پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب کو مبارک باد	اِدارۂ عزیزیہ اشرفیہ	32

فی شمارہ : =/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : =/180 روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور

ای میل: mahanama_ghazali@yahoo.com

zef_pk@ yahoo.com

saqi_pak99@yahoo.com

﴾اصلاحِ نفس﴿

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوریؒ)

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا (الاعراف:۱۴۶)

ترجمہ: ''اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بناویں۔''

کافر لوگ جو گمراہ ہیں جب بھلائی کی راہ کو دیکھتے ہیں تو بھلائی کی راہ پر نہیں آتے اور جب گمراہی کی راہ کو دیکھتے ہیں تو اس پر فوراً چل پڑتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے انسان کے اندر نفس ہے اور نفس کی فطرت یہ ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف:۵۳)

ترجمہ: ''نفس تو (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے۔''

نفس کی مثال سرکش گھوڑے کی طرح ہے جب تک اس کو سدھایا نہ جائے سوار کو پھینکنے کا اندیشہ ہے۔ اور اگر سدھا لیا جائے تو اس سے بہتر جنت تک پہنچانے والی دوسری چیز نہیں۔ نفس کے گھوڑے پر سوار ہو کر انسان جنت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر یہ نفس مرکب (سواری) کی جگہ خود راکب (سوار) بن جائے اور سوار کے اُوپر سوار ہو جائے اور ہو بھی شوخ پھر سوار بھی سر پر ہو تو ایسی دولتی لگائے گا کہ سیدھا دوزخ میں پہنچائے گا۔ نفس کے ساتھ شیطان ہے۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ گھر کے بھیدی (نفس) کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ شیطان ہم سے زبردستی کوئی کام نہیں کرا سکتا اور نہ ہم کو کسی کام کے کرنے کیلئے مجبور کر سکتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ نفس کو اپنے ساتھ ملا لے۔ شیطان انسان کو پھسلانے کے لئے نفس کے دروازے سے آئے گا۔ اگر نفس نہ مانے تو شیطان کی کوئی طاقت نہیں کہ ہم سے گناہ کرا لے۔ قرآن میں آتا ہے:

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ○ (النساء:۷۶)

ترجمہ: ''کہ شیطان کا مکر و فریب بہت کمزور ہے۔''

شیطان انسان کے نفس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ نفس میں لذّات کی طلب ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ O(العمران:۱۴)

ترجمہ: ''خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمال کی چیزیں ہیں دُنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

یوں کہو کہ دُنیا و مافیہا میں انسان کے لئے لذّات کا سامان رکھا گیا ہے جس کو دیکھ کر نفس کی رال ٹپکتی ہے۔ اور نفس جب لذّاتِ دُنیا کو دیکھتا ہے تو شیطان نفس کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ شیطان ہمیشہ نفس کے سامنے اس کی چاہت والی چیز کو لاتا ہے اور نفس تو پہلے سے تیار بیٹھا رہتا ہے، جس طرح کسی کو کہا جائے کہ محبوب سے پیار کرو، تو وہ تو پہلے سے تیار بیٹھا ہوتا ہے شیطان کی انگیخت سے فوراً تیار ہو جاتا ہے۔ شیطان پہلے چھوٹے گُناہ کا وسوسہ ڈالے گا اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے گناہوں پر ڈالے گا۔ جس رُخ کا آدمی ہوگا شیطان اس کے نفس میں اس رُخ کی بات ڈالے گا۔ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے اور صوفی کا شیطان بھی صوفی ہوتا ہے۔ بعض کو نیکی کی راہ سے مارے گا، کبھی نا اُمیدی کی راہ سے مارے گا۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غفوری شان کو سامنے لا کر گُناہ کرائے گا۔ شیطان ہر شخص کو اس کی چاہتوں اور مرغُوبات کی راہ سے بہکاتا ہے۔ وہ نفس کی راہ سے مارنا چاہتا ہے۔ نفس کی راہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بھی نفس کو مارنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ نفس کو چند قیود و حدُود کا پابند کیا ہے۔ قرآن نے احکامِ الٰہیہ کو حدُود اللہ کہا ہے اور حدُود کے اندر پھلانگنے کی اجازت دی ہے۔ حدُود سے باہر پھلانگنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ جبکہ نفس و شیطان چاہتوں کی لذّتوں کو سامنے لا کر تم کو اندھا کر دیتا ہے تاکہ تم حدُود کو نہ دیکھ سکو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں نفس کی رعایت ہے، نفس کُشی نہیں بلکہ نفس گشی ہے۔ نفس کو اس بات سے منع نہیں کیا کہ کھاؤ پیو نہیں اور اپنی جائز ضروریات کو پورا نہ کرو بلکہ ان ساری ضروریات اور حاجات کو حدُود الٰہیہ کے اندر پورا کرو تاکہ نفس ہلاکت کے رُخ پر نہ آئے۔

شیطان ہمارا دُشمن ہے، ہمارے لیے کبھی خیر نہیں چاہتا۔ علامہ مسعودیؒ نے لکھا ہے کہ ایک رات سیدنا امیر معاویہؓ اپنے مکان کے اندر سوئے ہوئے تھے۔ پچھلی رات میں کسی نے پاؤں کو ہلایا۔ اُنہوں نے جھٹ ہاتھ کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ کون ہو؟ اس نے کہا کہ وقت بہت کم رہ گیا تھا اور آپ کی تہجد قضا ہو رہی تھی۔ کہا کہ بتاؤ تو تم ہو کون؟ اس نے کہا کہ میں اِبلیس ہوں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ اِبلیس اور تہجد کے لئے اُٹھائے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ تمہارا کام تو گُمراہ کرنا ہے۔ کہا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں آپ کی تہجد قضا نہ ہو جائے۔ حضرت نے کہا کہ ٹھیک بات کہو میں اِدھر اُدھر کی بات نہیں مانتا۔ جب اس کو تنگ کیا تو اِبلیس نے کہا کہ کل رات آپ کی تہجد قضا ہو گئی تھی آپ اس پر اِتنا روئے تھے کہ تہجد کے پڑھنے سے زیادہ ثواب مل گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس رات بھی قضا ہو گئی تو پھر آپ گریہ وزاری کریں گے اور پھر آپ کو تہجد کے پڑھنے سے زیادہ ثواب ملے گا۔ تو دُشمن کبھی صحیح راہ پر نہیں ڈالے گا اگر نیکی کی راہ پر ڈالے گا تو اس میں بھی دھوکہ ہو گا۔

ع ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

اللہ کے احکام انسان کے نفس کی انتہائی چاہتوں کی حد ہیں۔ کہ اگر انسان نفس کو ترقی دینے کیلئے کچھ کرنا چاہے تو اللہ کی حدُود کے اندر کودتا رہے۔ نفس کے تقاضے آپ کو بُرائی پر ڈالنا چاہتے ہیں اور ساتھ شیطان مل گیا، تو بُرائی ہو گئی؟ وساوس شیطان کے تیر ہیں جن سے وہ انسان کو شکار کرتا ہے۔ اور اگر تم نے شیطان کے وسوسوں کی طرف التفات نہیں کیا اور یہ خیال کیا کہ کُتا ہے بھونکنے دو تو پھر کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اگر وسوسوں کی طرف التفات کیا اور ان کو آگے بڑھاتے رہے تو پھر پریشانی ہو گی اور گُناہ میں بھی مُبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔ کسی بزرگ نے شیطان سے پوچھا کہ تم بڑے ظالم ہو قتل تک کروا دیتے ہو۔ شیطان نے کہا کہ میں تو صرف ایک انگلی لگاتا ہوں باقی سب کچھ انسان خود کرتا ہے۔ اور کہا کہ چل میرے ساتھ کہ تم کو دکھاؤں۔ ایک حلوائی کی دُکان پر گئے، وہاں شیرے میں اُنگلی ڈبو کر دیوار پر شیرہ لگا دیا۔ اس شیرہ پر ایک مکھی آ بیٹھی۔ مکھی پر ایک چھپکلی نے حملہ کر دیا اور چھپکلی پر بلی نے حملہ کیا۔ پاس خریدار کھڑا تھا، اس کے پاس ایک کُتا تھا اس نے بلی پر حملہ کیا جس سے حلوائی کی مٹھائی کے تمام تھال گر گئے۔ حلوائی اور خریدار کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور نوبت قتل وقتال تک پہنچ گئی۔ شیطان کا وسوسہ بھی شیطان کی آنت ہے۔ شیطان بواسطہ نفس انسان کو مارتا

ہے۔شریعت نفس کو مارنے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ نفس کو حدود الٰہیہ کے اندر قابو رکھنے کا حکم دیتی ہے۔اگر کسی نے کوئی شوخ گھوڑا پال رکھا ہو تو یوں نہیں ہوتا کہ اس گھوڑے کو اس کی شوخی کی وجہ سے ہلاک کر دے بلکہ اس کے چارے اور پانی کا انتظام کرے گا۔ہاں اس کو سدھائے گا اور اگر شوخی کرے گا تو اس کو چابک لگائے گا۔ اسی طرح نفس کے شوخ گھوڑے کے سدھانے کے قوانین کا نام شریعت ہے۔نفس کے گھوڑے کو حدُود کے اندر جائز طور پر خوب کھلاؤ اور پلاؤ لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ مستی کرنے لگے اور بے قابو ہو جائے اور آپ کو پٹک کر پھینک دے،اور اتنا کم بھی نہ ہو کہ اتنا کمزور ہو جائے کہ خود بھی نہ اُٹھ سکے۔حدُودِ الٰہی قرآن اور حدیث کے اندر موجود ہیں۔نفس کب بنے گا؟...... جب اس کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے ماننے کا پابند کیا جائیگا۔شروع میں نفس کی چاہت لذّت کی طرف ہوتی ہے اور لذّت کو چھوڑنے پر انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ نفس کی مثال دودھ پیتے بچہ کی طرح ہے اگر ماں بچے کا دودھ نہ چُھڑائے تو وہ پیتا رہے گا۔امام بوصیریؒ نے قصیدہ بُردہ میں لکھا ہے کہ نفس کی مثال دودھ پیتے بچہ کی طرح ہے اور دودھ چُھڑانے کیلئے ماں کو کڑواہٹ لگانی پڑتی ہے اور بچہ پھر کڑواہٹ کی وجہ سے دودھ چھوڑ دیتا ہے۔نفس کی چاہت کو چھوڑنے کیلئے کچھ کڑواہٹ برداشت کرنی پڑے گی اور نفس کو بتکلف احکامِ الٰہی پر ڈالنا پڑے گا،جبراً مسلم بنانا پڑے گا۔جیسے بچہ کو انجکشن لگائیں اور وہ روتا اور چیختا ہے اسی طرح نفس کو احکامِ الٰہی کا انجکشن لگانا پڑے گا۔احکام کیلئے نفس کو چیرنا پڑے گا کہ نفس کے اندر احکام کا نشتر جا سکے۔شروع شروع میں دِقت ہو گی لیکن جب اس تکلیف کو برداشت کر لو گے تو نفس میں قوت آئے گی۔

مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ قزوین میں ایک آدمی گیدڑ مار کہ شیر رہتا تھا۔وہ ایک گودنے والے کے پاس گیا کہ میری پیٹھ پر شیر کی تصویر بنا دو۔اس گیدڑ مار کہ شیر نے قمیص اُٹھائی،جب گوندنے والے نے سوئی چبھوئی تو پوچھا کہ کیا بناتے ہو؟......اس نے کہا کہ شیر کا کان بنا رہا ہوں۔اس نے کہا کہ بغیر کان کے بھی شیر ہوتا ہے۔جب دوبارہ سوئی چبھوئی تو پوچھا کہ اب کیا بناتے ہو؟ تو کہا کہ دُم۔......تو کہنے لگا کہ بغیر دُم کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔پھر جب اس نے سوئی چبھوئی تو پوچھا کہ اب کیا بناتے ہو؟ اس نے کہا کہ پیٹ ......تو کہا کہ بغیر پیٹ کے شیر بناؤ۔

﴿بقیہ صفحہ: 10﴾

﴿آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور احترام و ادب کا وجوب اور اس میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع تو اُمت پر فرض ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ انبیاء علیہم السّلام کے بھیجنے کا مقصد ہی اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُمت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور احترام وادب کو بھی لازم قرار دیا ہے اور قرآنِ کریم میں جا بجا اس کے آداب سکھائے ہیں۔اللہ پاک نے شعائر اللہ کی تعظیم کرنے کو تقویٰ کی علامت قرار دیا۔ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَاللّٰهِ فَاِنَّهَامِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ O الآيه(الحج:۳۲)

ترجمہ: ”اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔“

سورۃ توبہ میں ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِوَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْاعَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْابِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهٖ ط الآيه(التوبه:۱۲۰)

اور سورۃ نور میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَاكَانُوْا مَعَهٗ عَلٰىٓ اَمْرٍجَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْاحَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ط الآيه(۶۲:النور)

اور سورۃ احزاب میں ہے:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْارَسُوْلَ اللّٰهِ (الی قوله تعالیٰ)اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَاوَالْاٰخِرَةِوَاَعَدَّلَهُمْ عَذَاباًمُّهِيْنًا. الآيه(الاحزاب:۵۳...۵۷)

اور سورۃ فتح میں ہے:

اِنَّآاَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًاوَّمُبَشِّرًاوَّ نَذِيْرًاOلِّتُؤْمِنُوْابِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةًوَّاَصِيْلاًO. الآيه(الفتح:۹،۸)

اور سورۃ حجرات میں ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا (الی قوله تعالیٰ) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ. **الآیہ** (الحجرات:۱...۵)

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ:

1) مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی اُن کے گرد و پیش رہتے ہیں، ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں اور اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں۔ بس مسلمان تو وہی ہے، جو اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو جب تک آپؐ سے اجازت نہ لیں اور آپؐ اس پر اجازت نہ دے دیں مجلس سے اُٹھ کر نہیں جاتے۔ اے پیغمبرؐ! جو لوگ آپؐ سے ایسے مواقع پر اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ پر اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ اہلِ ایمان لوگ ایسے مواقع پر اپنے کسی ضروری کام کیلئے آپؐ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپؐ جس کیلئے مناسب سمجھ کر اجازت دینا چاہیں، اجازت دے دیا کریں اور اجازت دے کر بھی آپؐ ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعاء کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو جب وہ کسی ضرورتِ اسلامیہ کیلئے تم کو جمع کریں ایسا معمولی بلانا مت سمجھو، جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے کہ چاہے آیا یا نہ آیا پھر آ کر بھی جب تک چاہا بیٹھا، جب چاہا اُٹھ کر بے اجازت لئے چل دیا۔

2) اور (حرمتِ ایذاءِ نبویؐ صرف فضول جم کر بیٹھ جانے ہی کی صورت میں منحصر نہیں، بلکہ علی الاطلاق حکم ہے کہ) تم کو (کسی امر میں) جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپؐ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری معصیت کی بات ہے (اور جس طرح یہ نکاح ناجائز ہے ایسے ہی اِس کا ذِکر کرنا یا دل میں اِرادہ کرنا سب گناہ ہے سو) اگر تم اس کے متعلق کسی چیز کو زبان سے ظاہر کرو گے یا اس کے اِرادہ کو دل میں پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ (کو دونوں کی خبر ہوگی کیونکہ وہ) ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (پس تم کو اس پر سزا دینگے اور ہم نے جو اُوپر حجاب کا حکم دیا ہے اس سے بعضے مستثنیٰ بھی ہیں، جن کا بیان یہ ہے کہ) پیغمبرؐ کی بیبیوں پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے کے بارہ میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے یعنی جس کے بیٹا ہو اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اپنے دِین شریک اور نہ اپنے دِینی شریک عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے (یعنی ان کے سامنے آنا جائز ہے) اور اے پیغمبرؐ کی بیبیو! (اِن احکامِ مذکورہ کے امتثال میں) اللہ سے ڈرتی رہو۔ (کسی حکم کے

خلاف نہ ہونے پاوے) بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ (یعنی اس پر کوئی امر مخفی نہیں، پس خلاف میں احتمال سزا کا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تا کہ آپ ﷺ کا حقِ عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو)۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قصداً ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

3) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ ﷺ کو اعمالِ اُمت پر قیامت کے دن گواہی دینے والا عموماً اور دُنیا میں خصوصاً مسلمانوں کیلئے بشارت دینے والا اور کافروں کیلئے ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے اور اے مسلمانو! ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم اللہ پر اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اُس کے دِین کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو (عقیدۃً بھی کہ اللہ تعالیٰ کو موصوف بکمالات منزّہ عنِ النّقائص سمجھو اور عملاً بھی کہ اطاعت کرو) اور صبح شام اُس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہو۔

4) اے ایمان والو! اللہ و رسول ﷺ کی اجازت سے پہلے تم کسی قول یا فعل میں سبقت مت کیا کرو (یعنی جب تک قرائنِ قویّہ یا تصریح سے اِذن گفتگو کا نہ ہو، گفتگو مت کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے (اور) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ اُن سے ایسے کُھل کر بولا کرو جیسے ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو (یعنی نہ بلند آواز سے بولو جب آپ ﷺ کے سامنے بات کرنا ہو، گو باہم ہی مخاطبت ہو اور نہ برابر کی آواز سے جب کہ خود آپ ﷺ سے مخاطبت کرو) کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اِس کا مطلب یہ ہے کہ رفع صَوت صورۃً بے باکی ہے اور جہر کجهر ما بينهم گستاخی ہے۔ (نشر الطیب)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باوجودیکہ ہر وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ کار رہتے تھے اور ایسی حالت میں احترام و تعظیم کے آداب ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اُن کا یہ حال تھا کہ آیتِ مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرتے تو اِس طرح بولتے تھے جیسے کوئی پوشیدہ بات کو آہستہ کہا کرتا ہے، یہی حال حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مجھے دُنیا میں محبوب

نہ تھا اور میرا یہ حال تھا کہ میں آپ ؐ کی طرف نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور اگر کوئی مجھ سے آپ ؐ کا حلیہ مبارک دریافت کرے تو میں بیان کرنے پر اِس لئے قادر نہیں کہ میں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر دیکھا ہی نہیں۔

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے نقل کیا ہے کہ مجلس صحابہؓ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے تو سب نیچی نظریں کر کے بیٹھتے تھے، صرف صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم آپ ؐ کی طرف نظر کرتے اور آپ ؐ اُن کی طرف نظر فرما کر تبسّم فرماتے تھے۔

اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ؐ کے اِردگرد (ادباً) اِس طرح بے حس وحرکت بیٹھے ہیں گویا کہ اُن کے سروں پر کوئی پرندہ (گھوم رہا) ہے۔ اِس حدیث کو چار کتابوں میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے قصہ میں ذِکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپ ؐ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے آپ ؐ سے براہِ راست سوال کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اِس لئے انہوں نے ایک دیہاتی شخص سے کہا کہ وہ آپ ؐ سے دریافت کرے کہ قرآنِ کریم میں فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ (الاحزاب:۲۳) کا مصداق کون شخص ہے۔ اُس نے آپ ؐ سے پوچھا مگر آپ ؐ نے اُسے جواب نہ دیا۔ اِس اثناء میں طلحہؓ آنکلے تو آپ ؐ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو آیتِ بالا کا مصداق ہیں۔ (اِس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

〈انتخاب از: تنویرا الابصار〉

———————★★★★★———————

〈بقیہ اصلاحِ نفس صفحہ: 6 سے آگے〉

گودنے والے نے کہا کہ ایسا شیر جس کا پیٹ نہ ہو، وہ تو خدا نے بھی نہیں بنایا۔ تو نفس بھی تب راہ راست پر آئے گا جب وہ چبھن کو برداشت کرے۔ اور پھر احکام کی حلاوت نصیب ہوگی پھر مزہ آئے گا۔

نفس نے انگڑائی لی اور ہوش میں آیا تو نفس امارہ سے نفس لوّامہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ سدھ جائے گا اور پھر احکامِ الٰہی کے ماننے میں آسانی ہوگی۔ اب جب شیطان آئے گا تو اس کو دولتی مارے گا۔ پھر نفس اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرار پکڑے گا اور رفتہ رفتہ یہ نفس مطمئنہ ہو جائے گا۔

نفس انسان کے اندر اس حرکتِ طبعی کا نام ہے کہ نتیجہ کے طور پر انسان کسی عمل کا اِرادہ کرتا ہے۔

مقدونیہ کا سفر نامہ 〈قسط: 6〉

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی)

مقدونیہ سے میری واپسی براستہ استنبول طے تھی، جہاں میرا ۲۴ گھنٹے کا قیام تھا، میں نے ایئر ٹریول ایجنٹ کے ذریعے سے استنبول میں اپنے لیے پہلے ہی سے ہوٹل میں بکنگ کرالی تھی۔ استنبول ایئر پورٹ پر پہنچا تو پروگرام کے مطابق ٹریول ایجنٹ کے آدمی نے مجھے لینے کے لیے آنا تھا لیکن کافی انتظار کے بعد جب کوئی بھی نہ آیا تو میں نے خود تلاش شروع کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ائیر پورٹ پر موجود (Information Desk) سے معلومات کیں تو اُنھوں نے مشورہ دیا کہ آپ اُس بندے کا مزید انتظار نہ کریں کیونکہ یہ ٹریول ایجنٹس ایسا ہی کرتے ہیں، بہتر ہے کہ آپ یہیں ایئر پورٹ پر موجود کسی ہوٹل والے کے نمائندے سے بات کرلیں۔ وہ نہ صرف آپ کو رات گزارنے کے لیے کمرہ دیں گے بلکہ آپ کا لانا لیجانا بھی اُن کے ذمے ہوگا۔ ترکوں کے بارے میں دو متضاد آراء سننے کو ملی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اِن کے عوام بڑے مخلص اور محبت کرنے والے ہیں خصوصاً پاکستانیوں سے بہت محبت کرتے ہیں جس کا تجربہ مجھے مقدونیہ میں ترکوں کے ساتھ ملاقات سے ہوگیا تھا۔

ایک دفعہ میں سکوپیہ میں اپنے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھا رہا تھا کہ دو تُرک میرے قریب آئے اور ایک نے مجھے پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر پوچھا کہ پاکستانی...؟ میں نے کہا 'ہاں' کہنے لگا کہ پاکستانی ہمارے اچھے دوست ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ تو کہنے لگا میں سکول میں بچوں کو ڈانس سکھاتا ہوں۔ دوسری طرف میں نے یہ بھی سنا تھا کہ ترکی میں خصوصاً استنبول کے کاروباری لوگوں میں دھوکہ دہی کا بھی رواج ہے لہٰذا استنبول میں بہت احتیاط سے رہنا چاہیے۔ میں ڈرتے ڈرتے ایک ہوٹل والے کے ایجنٹ کے پاس پہنچا اور اُسے اپنا مسئلہ بتایا، پہلے تو اُس نے ایک رات گزارنے کی بہت زیادہ قیمت بتائی لیکن آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے ۴۰ ڈالر پر پہنچ گیا، میں نے حامی بھرلی اور اُن کی گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل پہنچ گیا۔ شام کے تقریباً ۷ بجے تھے، میں اپنا سامان رکھ کر باہر نکلا تاکہ کچھ کھا پی لوں اور صبح کو تاریخی مقامات کی سیر کے بارے میں کچھ پروگرام بنالوں۔ جیسے ہی میں ہوٹل سے نکلا، ایک نوجوان دفعتہً میرے قریب آیا اور انگریزی میں مجھ سے اپنا تعارف کرانے لگا۔ مجھ سے بھی نام پتہ پوچھا، نوجوان نے بتایا کہ میں یونیورسٹی کا طالب علم ہوں اور یہاں پارٹ ٹائم ٹورسٹ گائیڈ کا کام بھی کرتا ہوں، میں نے کہا اچھی بات ہے۔ میں نے صبح

توپ کا پے محل، آیا صوفیہ کا گرجہ اور باقی تاریخی مقامات دیکھنے ہیں، آپ صبح آجائیں مجھے ان مقامات کی سیر کرائیں اور میں آپ کو معاوضہ دے دوں گا، اُس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے پوچھا ویسے یہ جگہیں اس ہوٹل سے کتنی دُور ہیں تو کہنے لگا کہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ تمام مقامات ایک ہی جگہ پر واقع ہیں اور اس ہوٹل سے تقریباً آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ یہ سن کر میں بہت خوش ہوا، پھر میں نے کہا کہ میں نے گولڈن ہارن بھی دیکھنے جانا ہے، تو اُس نے کہا کہ وہ یہاں سے دُور ہے اور اس کے لیے آپ کو ٹیکسی لینی پڑے گی۔ اس نوجوان کے ساتھ ملکر مجھے تُرکوں کے بارے میں دوسری رائے بہت غلط معلوم ہوئی، پھر میں نے اُسے کہا کہ میں کھانا کھاؤں گا آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ باتوں باتوں میں اُس نے بتایا کہ تُرکی میں قانون کی رُو سے کوئی بھی آدمی حرام گوشت نہیں بیچ سکتا لہذا یہاں ہر جگہ آپ کو حلال گوشت ہی ملے گا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس قدر انحطاط کے باوجود اب تک تُرکی میں اسلامی اقدار زندہ ہیں۔ میں نے نوجوان کو اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرنا چاہا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود وہ کھانے میں شامل نہ ہوا۔ کھانا کھانے کے دوران وہ مجھے مزید معلومات مہیا کرتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ کھانا کھانے کے بعد میں آپ کو اس بازار کی سیر کراؤں گا اور آپ کو قہوہ بھی پلاؤں گا، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ کھانا کھا کر جب ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو نوجوان کہنے لگا کہ اس وقت جس روڈ پر ہم جا رہے ہیں، یہ استنبول کا سب سے خوبصورت روڈ ہے۔ ایک جگہ رُک کر کہنے لگا یہ جگہ 'آکس سرائے' ہے۔ یہاں روس، جرمنی، ہالینڈ اور دوسرے یورپی ممالک سے ناچ گانے والی عورتیں آکر کلبوں میں ناچتی ہیں، چلتے چلتے میں نے سڑک کے دونوں طرف نگاہ ڈالی تو قدم قدم پر نائٹ کلب نظر آئے۔ نوجوان بولتا رہا، اور ان کلبوں اور ان میں ناچنے والی گندی عورتوں کے اوصاف بیان کرنے لگا۔ میں نے اُسے ڈانٹا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو وہ خاموش ہو گیا۔ خیر پھر بولنے لگا، ایک جگہ رُک کر مجھے کہنے لگا کہ یہ نائٹ کلب بہت خوبصورت ہے، آئیں میں آپ کو اسکی سیر کراؤں۔ میں نے کہا نہیں مجھے نائٹ کلب دیکھنے کا کوئی شوق نہیں تو اُس نے قدرے تلخی سے کہا کہ آپ سے بڑی بڑی داڑھیوں والے یہاں آتے ہیں۔ ہم آپ کیا چیز ہیں، میں نے کہا آتے ہوں گے، میں نہیں جاؤں گا۔ پھر منت سماجت کرنے لگا کہ آئیں ایک کپ قہوہ پی لیتے ہیں، اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا تو دیکھا کہ بے حیائی اور بے شرمی کا میدان گرم ہے میں فوراً لاحــول پڑھ کر باہر نکلا، یہ نوجوان اور کلب کا منیجر بہت تیزی سے میرے پیچھے دوڑے لیکن میں ان سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑ کر سڑک پر پہنچ گیا تھا، سڑک پر پہنچ کر یہ دونوں میری منتیں کرنے لگے کہ آپ

تھوڑی دیر کے لیے اندر تشریف لے لائیں۔ لیکن اب میں اُن کی چال سمجھ چکا تھا میں نے اُس نوجوان کو کہا، کیا تم دَلال ہو؟ تو اُس نے کمال بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں میں دَلال ہوں، میرا یہی کام ہے ۔میں یہاں کلبوں میں ٹورسٹ لاتا ہوں اور اسکے مجھے یہ لوگ پیسے دیتے ہیں۔ کہنے لگا، آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا، آپ تھوڑی دیر کے لیے اندر آئیں پھر بے شک چلے جائیں تاکہ میں ان سے پیسے لے لوں، میں نے کہا لعنت ہو تم پر، نہ میں تھوڑی دیر کے لیے آؤں گا اور نہ زیادہ کے لیے۔ کیا تمھیں اللہ کا ذرہ برابر خوف نہیں؟ کیا تمھیں میری داڑھی سے بھی شرم نہیں آئی؟ جو تم نے میرے پھانسنے کے لیے ایسا جال پھیلایا۔ یہ کہہ کر میں فوراً وہاں سے نکلا اور اپنے ہوٹل چلا آیا۔

صبح اُٹھا تو دیکھا کہ برف باری ہو رہی ہے۔ چائے پی کر میں نے اپنا گرم کوٹ پہنا اور چھتری لے کر تاریخی مقامات کی طرف روانہ ہوا، تقریباً آدھا گھنٹے بعد میں 'توپ کاپے محل' کے دروازے پر پہنچ چکا تھا، ۸:۳۰ بجے کا وقت تھا، اور محل کا دروازہ نو بجے کھلنا تھا۔ میں نے اِردگرد جائزہ لیا تو سلطان مراد احمد کی مسجد جسے (Blue Mosque) کہتے ہیں۔ 'آیا صوفیہ کا گرجا' اور چند ایک اور تاریخی مقامات بالکل قریب قریب واقع نظر آئے۔ نو بجے محل کا دروازہ کھلا، تُرکی میں محل کو سرائے کہتے ہیں لہٰذا محل کے اُوپر لکھا ہوا تھا، 'توپ کاپے سرائے'۔ انگریزی میں اسکو (Cannon Gate Palace) کہتے ہیں۔ 'توپ کاپے محل' سلطان محمد ثانی جس کو سلطان محمد فاتح بھی کہتے ہیں نے ۱۴۶۳ء میں تعمیر کیا۔ عثمانیوں کا دورِ حکومت ۱۲۸۱ء تا ۱۹۲۴ء ہے۔ عثمان کا باپ ارطغرل موجودہ تُرکی کے شہر 'انقرہ' کے قریب ایک چھوٹے مگر بہادر قبیلے کا سربراہ تھا۔ جب منگولوں نے نے سلجوقی سلطنت کا خاتمہ کیا تو موجودہ تُرکی کے اکثر حصوں میں سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں، جن میں سے ایک چھوٹی ریاست عثمان کے والد ارطغرل نے بھی بنالی۔ عثمان نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی ریاست کو پھیلانا شروع کیا اور بہت جلد ہی بازنطینی (رُومی) سلطنت کے بعض حصوں پر بھی قبضہ کرلیا۔

رُومی سلطنت جس کو (Roman Empire) بھی کہتے ہیں۔ تیسری صدی میں دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک کو مغربی رُومی سلطنت (Western Roman Empire) اور دوسری کو (Eastern Roman Empire) کہتے تھے۔ مشرقی رومن ایمپائر کو بازنطینی سلطنت بھی کہتے تھے۔ مغربی رومن ایمپائر کا صدر مقام اٹلی میں رُوم کا شہر تھا۔ جبکہ مشرقی رومن ایمپائر کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا تاہم

۴۷۶ء میں مغربی ایمپائر کا عملاً خاتمہ ہوگیا۔ اور اس میں شامل کئی ملکوں مثلاً فرانس، جرمنی اور انگلینڈ وغیرہ نے اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کیں، جبکہ مشرقی رومن ایمپائر ۱۴۵۳ء تک قائم رہی جب سلطان محمد فاتح نے اس کا خاتمہ کر ڈالا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ۶۲۳ء میں رُومیوں نے شام میں شکست کھائی تو اِن کا بادشاہ 'ہراکلیوس' جس کو قیصر رُوم کہتے تھے، بھاگ کر قسطنطنیہ چلا آیا۔ اُس وقت مسلمانوں نے ان سے شام، فلسطین، موجودہ اسرائیل، شمالی افریقہ اور آرمینیا وغیرہ قبضہ کرلیے تھے۔ یہ تمام علاقے مشرقی رومن ایمپائر کا حصہ تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ شام میں رُومیوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد رُومی سلطنت مزید ۸۰۰ سال قسطنطنیہ اور گردونواح کے علاقوں پر قائم رہی۔ قسطنطنیہ کو جس عیسائی بادشاہ نے آباد کیا تھا اُس کا نام قسطنطین تھا، وہ اس شہر کو نیا رُوم بھی کہتا تھا۔ مشرقی رومن ایمپائر پر یونانیوں کا اثر رسوخ تھا اور ان کا تعلق عیسائیوں کے فرقے آرتھوڈکس یعنی قدامت پسند عیسائیوں سے تھا۔

ارخان نے نوزائیدہ ریاست کو مزید مستحکم کیا اور اُس نے ۱۳۲۷ء میں عثمانی سلطنت کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ لیکن عثمانی سلطنت کا اصل پھیلاؤ اور استحکام ارخان کے بیٹے مراد اوّل کے دور میں ہوا۔ ۱۳۷۲ء میں اُس نے بلقان کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۱۳۸۳ء میں پہلی بار اُس نے اپنے لیے سلطان کا لفظ استعمال کیا۔ ۱۳۸۹ء میں اُس نے ایک خطرناک جنگی معرکے 'جنگِ کوسوؤ' میں سربوں کو عبرتناک شکست دے دی۔ اور اس طرح بلقان کے اکثر حصوں پر اپنی حکومت مستحکم کرلی۔ مراد کے بیٹے بایزید یلدرم نے آگے بڑھتے ہوئے بلغاریہ اور ہنگری پر بھی قبضہ کرلیا۔ جب تیمور لنگ نے ۱۴۰۰ء میں بایزید کو ایک افسوسناک جنگ میں شکست دے دی تو عثمانی سلطنت ۱۴۰۰ء تا ۱۴۱۳ء عارضی طور پر شکست وریخت کا شکار رہی، یہاں تک کہ ۱۴۱۳ء میں بایزید کے بیٹے محمد اوّل نے عثمانی سلطنت کو ازسرنو منظّم کیا۔ محمد اوّل کے بیٹے مراد دوئم نے نہ صرف تیمور لنگ کے بیٹے شاہ رُخ کو عبرتناک شکست دے کر اپنے دادا کا بدلہ لیا بلکہ عثمانی سلطنت کو مزید مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سلطان محمد فاتح جس نے ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو قسطنطنیہ فتح کیا اس سلطان مراد کا بیٹا تھا۔

جب سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کر رہا تھا تو اُس وقت قسطنطنیہ کے بادشاہ کی حکومت محض تھوڑے سے علاقے پر قائم تھی۔ اور اُس کی حکومت تقریباً ڈیڑھ سو سال سے عثمانیوں کو خراج دے کر بچتی رہی۔ لہذا یہ صرف نام کی حکومت تھی ورنہ عثمانی پچھلے دو سو سال میں اسکے اکثر حصوں پر پہلے ہی قبضہ کر چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کے ناقابلِ تسخیر قلعے کی دیواروں کو توڑنے کے لیے ہنگری کے ایک انجینئر سے

ایسی توپ تیار کروالی تھی جس کے بیرل کی لمبائی تقریباً ۲۷فٹ اور موٹائی ڈھائی فٹ تھی۔ اور یہ ۱۰من گولہ تقریباً ایک میل تک پھینکنے کے قابل تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اُس دور کا سب سے جدید اور مہلک ہتھیار تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیاروں کی اہمیت سمجھ کر اس میں مہارت حاصل کرنا شروع کی۔ لیکن تاریخ میں سلطان محمد فاتح کے جس کارنامے کا سنہری الفاظ میں ذِکر کیا جاتا ہے۔ وہ خشکی پر کئی میل تک کشتیاں چلا کر قسطنطنیہ کے اُس کمزور حصے تک پہنچنا تھا جہاں سے قلعے کی دیوار توڑنا آسان تھا۔ جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا تو وہاں پر موجود عیسائیوں کے ایک قدیم اور اہم ’گرجا آیا صوفیہ‘ کو مسجد میں تبدیل کردیا ۵۰۰سال بعد کمال اتاترک نے اس کو عجائب گھر میں تبدیل کیا۔ آج کل اس کے ایک چھوٹے سے حصے میں مسجد ہے اور باقی حصے میں گرجا اپنی اصلی حالت میں ہے۔

سلطان محمد فاتح جب قسطنطنیہ کی فتح سے فارغ ہوا تو اُس کا اِرادہ پورے یورپ کو فتح کرنے کا تھا۔ لیکن پوپ چہارم کے کہنے پر ایک یہودی ڈاکٹر نے اسے زہر دے کر شہید کردیا۔ محمد فاتح کا بیٹا بایزید دوم اور اس کا بیٹا سلیم اوّل تھا سلیم اوّل نے اپنے دورِ حکومت میں شام، لبنان، اسرائیل یروشلم فتح کیے اور ۱۵۱۷ء میں قاہرہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اور اسی سال پہلی مرتبہ اپنے لیے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین کا لفظ استعمال کیا۔ سلیم کا بیٹا سلیمان اعظم تھا جسکو انگریز (Suleman The Magnificent) کہتے ہیں۔ سلیمان اعظم کے دور میں عثمانی حکومت ۵۵ لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیل گئی۔ اور اسمیں پورا مشرقی یورپ بشمول آسٹریا اور شمالی افریقہ کے اکثر ممالک شامل ہوئے، سلیمان اعظم کا دور عثمانیوں کا زرین دور ہے۔ سلیمان سے پہلے ہر عثمانی بادشاہ اپنی الگ مہر بناتا تھا۔ جب سلیمان نے اپنی فتوحات سے مالِ غنیمت کے طور پر بے تحاشا سونا اکٹھا کیا تو اُس نے ایک فرمان جاری کیا جو آج بھی ’توپ کاپے محل‘ میں لگا ہوا ہے۔ اعلان میں درج ہے کہ آج سے عثمانی خلفاء اس وقت تک میرے نام کی مہر استعمال کریں گے جب تک کہ ان میں سے کوئی مجھ سے زیادہ سونا اکٹھا نہ کرلے۔

ان تمام کارناموں کے باوجود سلیمان اعظم نے ایک ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب کیا جس نے عثمانیوں کے زوال کی بنیاد رکھ دی۔ اُس نے یوکرائن کے ایک پادری کی بیٹی (Roxelana) جو ایک جنگ میں گرفتار ہو کے آئی تھی سے شادی کرلی۔ (Roxelana) کو سلیمان اعظم نے خرم کا نام دیا۔ یہ عورت اپنی ذہانت کے بل بوتے سلیمان اعظم کے بہت قریب ہوگئی۔ اگرچہ اس کی وفات سلیمان اعظم کی زندگی ہی میں

۱۵۵۸ء میں ہوگئی تھی لیکن اُس نے سلیمان اعظم کا اعتماد حاصل کر کے اپنے بیٹے سلیم دوئم کو ولی عہد بنوا دیا تھا۔

سلیم دوئم کو دُنیا سلیم شرابی یا (Saleem Dran Leard) اور (Saleem The Sot) کے نام سے جانتی ہے۔ یہ اسی عورت کی تربیت تھی جس نے سلیم کو ایک شرابی، عیاش، لاپرواہ اور بزدل سلطان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سلطنت عثمانیہ کی خوش قسمتی تھی کہ سلیمان اعظم کا ایک قابل اور معتمد وزیر اعظم محمد سوکولو خلافت کا کاروبار چلاتا رہا اور سلیم کو عملاً حکومت سے علیحدہ کرلیا تھا۔ سلیم کے بعد اُس کا بیٹا مراد سوئم اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا محمد سوئم اور پھر اُس کا بیٹا احمد اوّل بادشاہ ہوا۔ سلطان احمد پر آ کر سلطان محمد فاتح کے بعد وہ سات پشتیں پوری ہوجاتی ہیں جس کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے قسطنطنیہ فتح کرلیا اُس کی سات پشتیں جنت میں جائیں گی۔ تاریخ دانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطان احمد وہ آخری سلطان تھا کہ جس کی وفات کے بعد ۱۶۱۲ء میں سلطنتِ عثمانیہ کا زوال شروع ہوا۔

کہتے ہیں کہ سلطان احمد سلطنت عثمانیہ کا پہلا سلطان تھا جس نے داڑھی مونڈ ڈالی تھی۔ اور مزید یہ کہ اس نے جانثاروں یعنی رضار کار مجاہدین ختم کر کے کرائے کے فوجی بھرتی کئے۔ اس کے علاوہ اسی کے دور میں فوج میں تمباکو نوشی شروع ہوگئی تھی۔ سلطان احمد کا واحد کارنامہ 'آیا صوفیہ گرجے' کے قریب ایک عظیم الشان مسجد سلطان احمد مسجد یا نیلی مسجد (Blue Mosque) ہے۔ جسکو بعض لوگ سلطان محمد فاتح سے منسوب کرتے ہیں۔ عثمانی خلافت سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں دُنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت سے قائم رہی تا آنکہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اپنوں کے ہاتھوں اُس کا خاتمہ ہوا۔ سلطان عبدالمجید عثمانیوں کا ۳۷ واں سلطان، دُنیائے اسلام کا ۱۰۱ واں خلیفہ اور عثمانی پایہ تخت کا آخری حکمران تھا۔ اور یوں مسلمانوں کی خلافت کا چراغ گل ہوگیا سلطان عبدالمجید کی وفات ۱۹۴۴ء میں فرانس میں ہوئی۔

'توپ کاپے سرائے' کے درمیان میں ایک بہت بڑا میدان ہے، دائیں اور بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں جس کے سامنے برآمدہ ہے اور اسکے اُوپر بالکونی ہے، ان برآمدوں میں سے گزر کر پورے محل کی سیر کرنی ہوتی ہے۔ کمروں میں عثمانی بادشاہوں کے نوادرات رکھے ہوئے ہیں، ایک کمرے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بھی رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کمرہ باقی کمروں سے بالکل الگ تھلگ ہے اور اس میں ایک آدمی ہر وقت تلاوت کر رہا ہوتا ہے، میں جب داخل ہوا تو آدمی نے تلاوت کرنے کے دوران ہی اِشارے سے مجھے سلام کیا۔

(بقیہ صفحہ:18 پر)

﴿۸ اکتوبر اِک لمحۂ فِکر﴾

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)

۸/اکتوبر بھی عجیب تاریخ ہے، اسی تاریخ کو افغانستان پر امریکی حملہ ہوا اور B-52 طیاروں کی بمباری اور ڈیزی کٹر بموں کی برسات نے ملک کو ڈھیر کر کے رکھ دیا، انسانی املاک بے دردی سے تباہ ہوئیں، اور افغان مسلمان اور دُنیائے اسلام کے دیگر ممالک سے آئے ہوئے مسلمان تھوک کے حساب سے شہید ہوئے۔ ٹھیک تین سال بعد اسی ۸ اکتوبر کو قیامت خیز زلزلہ نے شمالی علاقہ جات، آزاد کشمیر، بالاکوٹ، بٹگرام اور الائی کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ اور آنِ واحد میں اَسی ہزار افراد ناپید ہو گئے، ۵ کھرب کا مالی نقصان ہوا، اور اچھا خاصا فوجی نقصان بھی ہوا۔ بالاکوٹ کے قاضی جناب خلیل صاحب نے ایک عجیب خواب اپنے جمعہ کے خطبہ میں سنایا۔ دو ماہ پہلے ان کے متعلقین میں سے کسی نے خواب دیکھا کہ بالاکوٹ کے آمنے سامنے پہاڑوں پر ایک ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے، ایک دوسرے سے کہتا ہے ''ان دونوں پہاڑوں کو اس بستی پر ملا نہ دیں؟'' اس پر دوسرے نے کہا۔ ''یہاں مدارس ہیں اور بچے قرآن پڑھتے ہیں''۔ اس کے دو ماہ بعد جب رمضان میں مدارس کی چھٹیاں ہوئیں تو خواب حقیقیت بن گیا، تعجب ہے وہی بالاکوٹ جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اس میں تبلیغی جماعت کا مرکز، لڑکیوں کا دینی مدرسہ، مزار سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مزار شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ایک عمارت مدنی پلازہ ٹھیک ٹھاک کھڑے ہیں گویا زلزلہ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرا۔ مدنی پلازہ کے مالک نیک صالح آدمی تھے، اپنے پلازہ میں نائی کی دُکان، ویڈیو کیسٹ کی دُکان اور سُودی کام کرنے والے دُکاندار کی دُکان نہیں چھوڑتے تھے۔ پگڑی (پیشگی اضافی رقم) نہیں لیتے تھے۔ کثرت سے صدقہ کرنے والے تھے، واقعی تباہی وہاں آتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات ٹوٹتے ہیں، اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور خراب موت سے محفوظ کرتا ہے۔ علماء، مشائخ، تبلیغ والے حضرات نے قرآن و حدیث کی روشنی میں گناہوں کو اسکا سبب قرار دیا اور عوام کو توبہ تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی۔ جبکہ کفر کے گماشتے صحافیوں نے مختلف اخبارات میں اسباب رُوحانیہ سے توجہ ہٹاتے ہوئے صرف اسباب مادیہ کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرائی، اور اسباب رُوحانیہ کا مذاق اڑایا، اور اپنے لئے آخرت کا عذاب اور دُنیا کی ذلت کمائی۔

بڑے شہروں کے لوگوں نے دل کھول کر امداد کی۔ جذبے والے حضرات نے جانی تکلیف اُٹھا کر

مدد کی، واقعی زلزلہ زدہ لوگوں کے گناہ معاف ہوئے۔ کچھ شہادت سے سرفراز، باقی ماندہ غم، دُکھ اور تکلیف اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے، عالمی طور پر مسلمانوں کو عبرت ہوئی۔ کئی 'این. جی. اوز' نے خدمات سرانجام دیں۔ الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ جن کے بارے میں بندہ کو ذاتی معلومات ہیں بہت منظّم طریقے سے کام کرتے رہے اور خوراک، علاج، خیمہ اور جستی چادروں کی تعمیر کے سارے کام کئے۔

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کے حضرات نے انفرادی طور پر علاقہ میں پہنچ کر جانی، مالی خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِدارہ خدمتِ خلق کے مختلف کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔ اس دفعہ یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ باقاعدہ طور پر اِدارہ کی ایک شاخ، ایک N.G.O. کے طور پر قائم کی جائے جو ایسے موقع پر منظّم طریقے سے کام کر سکے۔

——————★★★★★——————

〈بقیہ مقدونیہ کا سفر نامہ صفحہ: 16 سے آگے〉

قریب ہی دوسرے کمرے میں قبر اطہر شریف کی مٹی مبارک اور سونے کی جالیاں بھی شیشے کے بڑے بڑے شوکیسوں میں بند رکھی ہوئی تھیں۔ ایک اور کمرے میں کچھ عجیب وغریب تبرکات دیکھنے کو ملے، ایک عمامہ تھا جس کے سامنے لکھا تھا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا عمامہ ہے۔ ایک چھڑی تھی جس کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص چھڑی ہے جس کا ذِکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ ایک دوسرے کمرے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تلواریں بھی دیکھیں۔ غور کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلواریں باقی تلواروں سے زیادہ چوڑی، لمبی، موٹی اور مضبوط ہیں۔ ایک دوسری جگہ سلطان محمد فاتحؒ کی وہ تلوار بھی دیکھی جس سے اُس نے قسطنطنیہ کا یہ شہر جسے اب استنبول کہتے ہیں فتح کیا تھا۔ **〈باقی آئندہ〉**

——————★★★★★——————

مصیبت آئے تو صبر کرو:

ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت مجھ پر مصائب اور حوادث اتنے آئے ہیں کہ اگر خودکشی جائز ہوتی تو میں یقیناً کر لیتا۔ فرمایا اگر مصائب اور حوادث کوئی بُری چیز ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لئے پسند نہ فرماتے۔ مانگنا تو عافیت ہی چاہئے لیکن اگر کوئی مصیبت آجائے تو رضا بالقضا (صبر) چاہیے اللہ تعالیٰ کے حاکم اور حکیم ہونے کا یقین رکھے اور ان ہی پر نظر رکھے۔ **〈از ملفوظاتِ حکیم الامت〉**

دعوتِ فکر

(عزیز احمد، لوندخوڑ)

پچھلے دِنوں ایک اِدارے کے ساتھ بچوں کی صحت کے بارے میں ایک ٹریننگ کا اتفاق ہوا اس میں بہت سے موضوعات کے علاوہ ان علامات کی بھی نشاندہی کی گئی جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ بچے کی بصارت کمزور ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1) بچے کو سر درد کی شکایت رہنا۔

2) بچے کا کتاب کو آنکھوں کے قریب لا کر مطالعہ کرنا۔

3) بچے کا ہر وقت سوچوں میں گم رہنا۔

4) بچے کو پڑھائی کے دوران متلی آنا۔

5) بچے کا ایک ہی جگہ مطالعہ میں دل نہ لگنا، بلکہ مطالعہ کے لیے بار بار جگہ کا تبدیل کرنا۔

6) بچے کا مطالعہ کے دوران گردن ایک طرف جھکانا۔

7) بچے کی خود اعتمادی میں کمی آجانا۔

8) بچے کی کارکردگی پہلے کے مقابلے میں کم ہو جانا وغیرہ بڑی اور واضح علامات ہیں۔

بعد میں، میں نے خود اپنے طور پر مختلف ماہرین سے تحقیق کی کہ بچے کی بصارت پر اثر انداز ہونے والی اہم اور بڑی بڑی وجوہات کونسی ہوسکتی ہیں۔تو انہوں نے جو وجوہات بیان کیں ان میں سے ایک وجہ روشنی کی طرف مسلسل بلا واسطہ دیکھنا۔اور اگر یہ عمل بار بار کیا جائے تو اس سے نظر انتہائی درجہ تک کمزور پڑ سکتی ہے۔اور خصوصاً بچوں میں تو چونکہ قوت مدافعت بڑوں کی بنسبت کم ہوتی ہے اس لئے وہ زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق وہ روشنی جو بار بار ہماری آنکھوں پر پڑ کر ہماری بصارت کو متاثر کر سکتی ہے۔وہ کمپیوٹر اور ٹی وی سکرین سے نکلنے والی شعاعیں ہیں۔کیونکہ ایک بچہ تقریباً ا گھنٹہ سے لے کر ۵ گھنٹے تک مسلسل ٹی وی سکرین کو دیکھتا رہتا ہے اور یہ عمل روزانہ ہوتا ہے۔اس لیے اس کے اس عمل سے اس کی بصارت کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔پھر جب نظر انتہائی درجہ تک کمزور ہو جاتی ہے تو ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کے چکر شروع ہو جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کو بھی کہنا پڑتا ہے ؎

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

چونکہ میں ایک سرکاری تعلیمی اِدارے میں تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہوں اس لیے جب میں نے (Snellen Eye Chart) کے ذریعے اپنے کلاس کے بچوں کی نظریں چیک کیں تو چیک کرنے کے بعد نتائج کو دیکھ کر پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ نا قابلِ یقین حد تک 75 فیصد بچوں کی نظر کمزور پڑ چکی ہے اور وہ بڑی مشکل سے کتاب کو دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں۔

اب ان سطور کو پڑھنے کے بعد قاری خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ سی ڈی، کیبل، ڈِش، ٹی وی اور ویڈیو گیمز کے ذریعے ہم اپنی اور اپنے بچوں کی بصارت کو نا قابلِ تلافی حد تک نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ بچے گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتے ہیں تو ہم بطور تفریح ان کو ان تمام چیزوں کی اجازت دیتے ہیں، اس کی مثال تو اس طرح ہے کہ کوئی آدمی بھوکا ہو اور کھانے کیلئے کچھ چیز مانگ رہا ہو تو ہم اس کو کوئی زہر آلود چیز کھانے کو دے دیں۔

آج لوگ جو سی ڈی، کیبل اور ٹی وی پر فلمیں دیکھتے ہیں اوسطاً ان کا دورانیہ تین گھنٹے کا ہوتا ہے، ایک ڈرامے کا دورانیہ ایک گھنٹہ اور ایک کارٹون فلم کا دورانیہ آدھا گھنٹہ ہوتا ہے۔ اسطرح گھنٹوں تک دوسرے مختلف تفریحی موسیقی، تعلیمی، ادَبی اور کوئز پروگراموں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور ہمارے بچے گھنٹوں گھنٹوں تک اس سکرین کے ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف تفریح کے نام پر ہماری ذہنی تطہیر (Brain washing) کر کے ہمارے مذہبی اخلاق، خیالات اور نظریات کو نقصان پہنچایا جاتا ہے تو دوسری طرف اپنی بصارت جیسی عظیم نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ خصوصاً بچوں میں تو 'جبلت تقلید' کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے ماحول سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور ماحول کے تمام مثبت اور منفی رویوں کو دیکھ کر اپنانے کے کوشش کرتے ہیں، مثلاً اگر آپ لوگ اپنے گھر کے اندر بچوں کے مختلف کھیلوں کا بغور مشاہدہ کریں تو ایک بچہ اپنے کھیل کے دوران کبھی سکول کا کھیل کھیل کر اُستاد بنتا ہے اور کبھی شاگرد، کبھی ڈاکٹر کا کردار اپناتا ہے تو کبھی مریض کا۔ کبھی کسی مقرر کو دیکھ کر اس جیسی تقریر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی کسی فلم سٹار کو دیکھ کر اس جیسی اداکاری کی کوشش کرتا ہے۔ تو بچے زیادہ تر وہی کھیل کھیلتے ہیں جو چیزیں ماحول میں ان کو نمایاں نظر آتی ہیں اور بدقسمتی سے ٹی وی، سی ڈی اور کیبل وغیرہ ہمارے ماحول کا مرکزی حصہ بن چکے ہیں۔

اب چونکہ باطل قوتوں کو پوری دُنیا کے اندر پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر غلبہ حاصل ہے۔ اس

لیے وہ اس میڈیا کے ذریعے وہ کام لینا چاہتے ہیں جو کہ بعض حالات میں طاقت سے مشکل ہوتا ہے۔ وہ اسلام کو ہمارے گھروں اور ہمارے ماحول سے نکالنا چاہتے ہیں، اس میڈیا کے ذریعے وہ کافروں کو بطور ہیرو پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی تہذیب، تہواروں اور شکل ولباس کو مسلمانوں کے اندر لانا چاہتے ہیں اور نتیجے میں وہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کو، صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو ہم سے دُور کرنا چاہتے ہیں۔

مثلاً آج کل سی ڈی یا کیبل پر جو انڈین فلمیں دیکھی جارہی ہیں اور ہمارے بچے ان کو روزانہ دیکھتے ہیں۔ ان فلموں میں ان کے کنجر، بھانڈ، میراثی اور ڈوموں کے نام پر اپنے نام رکھ رہے ہیں۔ یہ بات میں ویسے نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریر کررہا ہوں کہ جب میں نے بچوں کا مختلف طریقوں سے جائزہ لیا تو ۹۲ فیصد بچے اپنے آپ کو انڈین اداکاروں کے نام پر کہلوانا پسند کرتے ہیں۔

ہمارے سکول میں کوہستان سے ایک بچہ آکر میری کلاس میں داخل ہوا تو دوسرے لڑکوں نے بتایا کہ یہ بھی 'اَجَ' ہے۔ تو میں نے کہا ہم نے ان کافروں کے گھروں تک اپنے دِین کو نہیں پہنچایا لیکن اُنھوں نے اپنی تہذیب وتمدن کو ہمارے شہروں، محلوں، قصبوں، صحراؤں اور کوہستانوں تک پہنچادیا۔ ان سطور کو لکھ کر میں آپ لوگوں کو ایک دعوتِ فکر دے رہا ہوں کہ آپ ان حقائق کو مسترد نہ کریں بلکہ نمبر وار تول کر ان کے سدِ باب کی کوششیں کریں۔

——————★★★★★——————

﴿بقیہ ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور اُن کا شرعی حل صفحہ: 23 سے آگے﴾

3) علاج کے لئے تیار کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بار بار ترغیب دے کر تیار کرنا چاہیے۔

4) تصوف میں قبض کی وجوہات گناہ، جسمانی بیماری، معاشرتی ناہمواری ہوتے ہیں۔ ہم اہلِ تصوف اپنی مجالس میں ان موضوعات پر تفصیلی بحث کرکے اور اگر کوئی پوچھے تو اسکی رہنمائی کرکے اللہ کے فضل سے مریض کو اس حال سے نکال دیتے ہیں۔ **﴿باقی آئندہ﴾**

——————★★★★★——————

نیک صحبت کی ضرورت: حکومتوں کے قوانین، جرائم کے افعال تو روک سکتے ہیں لیکن جرائم کی نفرت دِل میں نہیں بٹھا سکتے، زانی زنا سے اور چور چوری سے قانون کی وجہ سے رُک تو سکتا ہے لیکن زنا اور چوری کی نفرت اس کے دِل میں قوانین سے نہیں بیٹھ سکتی۔ جرائم کی نفرت اور معصیت سے بیزاری اہلُ اللہ کی صحبت ومعیت سے نصیب ہوتی ہے۔ (اقتباس خطباتِ حکیم السلام)

ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور اُن کا شرعی حل

(ڈاکٹر فہیم صاحب)

پہلا واقعہ:

ایک جوان جس کی عمر ۳۲ سال کے لگ بھگ تھی اپنی ماں اور دوستوں کے ہمراہ میرے کلینک آیا، اپنی بیماری کے متعلق مجھے اس طرح بتانا شروع کیا، ''میرے سر میں درد ہوتا ہے، سارا جسم درد کرتا ہے، رات کو نیند نہیں آتی، بھوک بالکل ختم ہوگئی ہے، مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے بخار ہو، کبھی کبھی کھانسی ہوتی ہے۔'' ذاتی زندگی سے متعلق میں نے پوچھا تو اس نے بتایا ''میں نے تبلیغ میں ۴ ماہ لگائے ہوئے ہیں، ایف اے کیا ہوا ہے اور کھیتوں میں زمینداری کرتا ہوں، میرے ۲ بچے ہیں، شادی کو ۵ سال ہوگئے ہیں''۔ اس کی ماں نے دورانِ گفتگو بتایا یہ باتیں کم کرتا ہے، گھریلو معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا، نمازیں پڑھنا چھوڑ دی ہیں اور تبلیغ والوں کے ساتھ بھی نہیں بیٹھتا۔ اس کے بعد میں نے اس کو معائنے کے لیے بستر پر لٹا کر ظاہری جسم کا پوری تفصیل کے ساتھ معائنہ کیا تاکہ ظاہری جسم کی کوئی بیماری مجھ سے رہ نہ جائے، اس دوران میں نے اس کی ماں اور اس کے دوست کو باہر بھیج دیا تاکہ اس سے باطن کا حال معلوم کرسکوں، مجھے محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے دل میں کوئی بات ہے جس کی وجہ سے اس کا جسم متاثر ہوا ہے۔

میں نے اس سے گھریلو ماحول کے متعلق پوچھنا شروع کیا اور بیوی سے اس کے تعلق کو پوچھا تو اس نے ان الفاظ میں بیان دیا۔ ''ان کے گھر کا مشترکہ خاندانی نظام ہے، اس کی بیوی اس کے چچا کی بیٹی ہے، شادی کا پہلا سال ٹھیک گزرا، اس دوران کبھی کبھار جھگڑا ہوجاتا تھا، بیوی کی بغیر کسی وجہ کے ناراضگی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی بیوی اس پر شک کرنے لگی کہ اسکے دوسری عورتوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ مجھ پر الزام لگاتی کہ آج اس نے مجھے فلانی عورت کے ساتھ دیکھا، دوسرے دن فلانی عورت کے ساتھ، اس کی وجہ سے میں ذہنی دباؤ کا شکار ہونے لگا۔ دو دفعہ ناراض ہوکر یہ اپنے میکے چلی گئی، میں نے اس کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ نہ سمجھی، اپنا بستر مجھ سے الگ کرلیا، بچوں کا بھی خیال نہیں کرتی، میں نے طلاق دینے کی بات کی تو اس بات پر بھی راضی نہ ہوئی، اس ساری ذہنی کوفت کی وجہ سے میں نے دو دفعہ خودکشی کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی، اور اب تیسری کی سوچ رہا ہوں۔''

اس سارے بیان کے بعد مجھے اس بات کی سمجھ آئی کہ اُس بندے کی بیوی ذہنی بیمار ہے جس کو

سائیکاٹری میں (Obsessive Neurosis) کہا جاتا ہے۔جس میں بار بار ایک ہی خیال ذہن میں آتا ہے، جس کی وجہ سے مریض مجبور ہو کر اس سوچ میں مبتلا رہتا ہے یہ بیماری آگے بڑھ کر جسم پر اثر انداز ہوتی ہے جس کو (Obssessive Compulsive Neurosis) کہا جاتا ہے، اس میں وہ ذہنی سوچ کو جسم کی حرکات وسکنات پر مرکوز کر لیتا ہے، یہ بیماری اس کی بیوی میں پہلے سے تھی یا کسی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ ان کی گھر میں شرعی پردہ نہ تھا، باقی خرافات بھی موجود تھیں، ظاہری دِینداری ضرور تھی، میں نے اس کو سمجھایا کہ اس کی یہ بیماری بیوی کی ذہنی بیماری کی وجہ سے ہے، اگر بیوی کی ذہنی بیماری کا علاج ہو جائے تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اور گھر کا ماحول سازگار ہو جائے گا، خودکشی کے متعلق اس کے خیالات کو میں نے ؟؟ دُرست کرنے کی کوشش کی۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر سکون کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے، میں جب اس کو دوائی تجویز کر کے رخصت کرنے لگا تو کافی حد تک وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

اب اس کیس کا شرعی نقطۂ نگاہ سے حل کس طرح کرنا چاہیے؟ سوالات جو ذہن میں آتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1) شوہر کا خودکشی کی کوشش کرنا، کیا اس کی اپنی شخصیت کی کمزوری تھی کہ اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھا۔

2) خودکشی سے بچنے کے لیے شوہر کا طلاق دینا کیسا تھا؟

3) اگر بیوی اپنے علاج پر راضی نہ ہو تو اس کو احسن طریقہ سے رخصت کر دینا کیسا ہے؟ (شوہر کی بیوی چچا کی بیٹی ہے اس طرح دو خاندانوں کا جدا ہونا بھی ظاہر ہے۔)

4) سالک (تصوف کی راہ میں چلنے والا) کے ساتھ اگر یہ حالات ہوں اور وہ نماز، تلاوت، ذِکر اذکار چھوڑ دے تو اس کو قبض کی حالت کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ دُنیا کے حالات ہوں۔

جوابات: (از ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

1) اسکی وجہ توحید کا ناپختہ ہونا اور آخرت کے یقین کی کمزوری ہے۔ وہ حالت اور یقین جو اس کو تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ لگا کر حاصل ہوئے تھے، تبلیغی ماحول چھوڑنے سے ضائع ہو گیا۔ اگر وہ انفرادی اعمال ذِکر، تلاوت، نوافل کا عادی ہو چکا ہوتا تو یہ چیز بھی اسکو ایک مضبوط سہارا دیتی۔

2) ہمارے معاشرے میں طلاق اور دوسرے نکاح کو لعنت بنا دیا گیا ہے، جسکے نتائج پھر یہی ہونگے۔

〈بقیہ صفحہ : 21 پر〉

مہمانی......سُننتِ انبیاء علیہم السلام

(مجالس حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

مہمان نوازی سارے ہی انبیاء علیہم السلام کی سُنت ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف خاص تھا، ان کا یہ طبعی جذبہ تھا کہ کوئی مہمان آئے اور اس کو کھانا کھلائیں۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر شکر کا وصف غالب تھا اور حضرت ایوب علیہ السلام پر صبر کا وصف غالب تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر حزن وغم کا وصف غالب تھا۔ پھر یہی شان اہل اللہ کی ہوتی ہے کہ جامع ہونے کے باوجود طبعی طور پر کوئی وصف ان پر غالب ہوتا تھا۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی مہمان نوازی کی شان:

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر مہمان نوازی کا وصف غالب تھا، وہ چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے حوالے کر دیں۔ حضرت شافعیؒ مہمانوں کے لئے مختلف انواع کے کھانے پکواتے، بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو تکلّف ہے، فرمایا کہ تکلّف وہ ہوتا ہے جو خلاف طبع ہو لیکن جب آدمی طبعی جذبہ سے کرے تو وہ تکلّف نہیں ہوتا۔ حضرتؒ کا طبعی جذبہ تھا کہ مہمان کی جتنی خدمت ہو سکے کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ ان کے مہمان ہوئے تو حضرت امام شافعیؒ نے ان کے لئے مختلف انواع و اقسام کے کھانے پکوائے، یہاں تک کہ مختلف کھانوں سے دستر خوان بھر گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس طرح کھایا کہ جیسے سات وقت کا بھوکا کھاتا ہے۔ امام صاحبؒ کا یہ کثرتِ طعام دیکھ کر امام شافعیؒ کے بچوں نے اعتراض کیا کہ یہ وقت کے امام ہیں، یہ کیسے امام ہیں جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ متقیوں کی شان یہ تھوڑی ہے۔ امام شافعیؒ سے جواب نہ بن پڑا اور فرمایا کہ محسوس تو مجھے بھی ہوا مگر میں میزبان ہوں اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے اتنا زیادہ کھانا کیوں کھایا میرے اُوپر تہمت آتی ہے، اس لئے میں خاموش ہو گیا۔

پھر جب رات کا وقت ہوا تو بچوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے لئے بستر وغیرہ بچھایا اور ایک لوٹا پانی رکھ دیا تاکہ رات کو نمازِ تہجد کے لئے دُشواری نہ ہو۔ صُبح کو یہ حضراتؒ جب نمازِ فجر کے لئے چلے گئے تو بچوں نے آکر بستر لپیٹا اور دیکھا کہ پانی اسی طرح رکھا ہے تو بچوں کے دِل میں بڑا اشکال ہوا کہ یہ کیسے امام ہیں کہ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور رات کو نمازِ تہجد کے لئے اُٹھتے بھی نہیں۔ پھر بچوں نے امام شافعیؒ کا دامن پکڑ لیا، آخر امام شافعیؒ سے بھی نہ رہا گیا چونکہ امام ابن حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اس لئے آپؒ نے اُستاد کی حیثیت سے

فرمایا کہ ”اے ابن حنبل! تمہارے اندر یہ تغیّر کب سے پیدا ہوا، میں نے دیکھا کہ تم نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نمازِ تہجد کے لئے پانی بھی استعمال نہیں کیا۔“ اس پر امام احمد بن حنبلؒ مسکرائے اور عرض کیا کہ حضرت! وہ بات نہیں ہے جو آپ سمجھے ہوئے ہیں بلکہ معاملہ کچھ اور ہے۔ امام شافعیؒ نے پوچھا وہ کیا معاملہ ہے تو امام احمد بن حنبلؒ نے بیان فرمایا کہ مختلف قسم کے کھانے ہمارے سامنے رکھے گئے تو ہم نے دیکھا کہ ان کھانوں پر انوارات و برکات کی بارش ہو رہی ہے۔ آج تک ہم نے اتنی حلال کمائی کا کھانا دُنیا میں نہیں دیکھا تھا، وہ کھانے انوارات و برکات سے گھرے ہوئے تھے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ جتنا کھا سکوں کھالوں پھر اتنی پاکیزہ کمائی کہاں میسر ہوگی۔ اس لئے خوب پیٹ بھر کر کھایا، زیادہ کھانے کی وجہ تو یہ تھی۔ پھر اس کھانے کی برکت ہوئی کہ نمازِ عشاء ہی کے وضو سے ہم نے تہجد کی نماز اور پھر فجر کی نماز بھی پڑھی، اس لئے وضو کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور علم میں برکت یہ ہوئی کہ بستر پر لیٹے لیٹے ہم نے ایک آیت سے سو (۱۰۰) مسائل نکالے، اللہ ربّ العزت نے میرے قلب پر الہام فرمایا اور معرفت بڑھ گئی۔ حضرت امام شافعیؒ یہ سُن کر بشاش ہو گئے اور بچوں سے اصل واقعہ بیان فرمایا۔ پھر ان کے اشکالات بھی دُور ہو گئے تو یہاں پر برکات کے آثار مہمان پر بھی ظاہر ہوئے اور میزبان پر بھی برکت ظاہر ہوئی کہ اپنی مہمان نوازی کے اثرات آنکھوں سے دیکھ لئے۔ سُبحان اللہ

------★★★★★------

انسانی غیرت کا حیرت انگیز واقعہ:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ”ایک مرتبہ موسیٰ بن اسحاق قاضی کی عدالت میں ایک برقعہ پوش خاتون نے اپنے شوہر پر پانچ سو اشرفی مہر کا دعویٰ کیا، شوہر مہر کی اس مقدار کا منکر تھا، عورت کے وکیل نے دعویٰ کے ثبوت پر دو گواہ پیش کئے۔ دونوں گواہوں میں سے ایک نے مطالبہ کیا کہ میں عورت کا چہرہ دیکھ کر گواہی دوں گا۔ چنانچہ گواہ چہرہ دیکھنے کے لئے کھڑا ہوا، یہ دیکھ کر شوہر کی غیرت کو جوش آ گیا اور اس نے کہا کہ آخر کس وجہ سے میری بیوی پر اجنبی مرد کی نظر ڈلوائی جا رہی ہے؟ میں قاضی کے سامنے خود گواہی دیتا ہوں کہ میرے ذمہ میری بیوی کے مہر کے پانچ سو دِینار خالص سونے کے واجب ہیں۔ مگر میری بیوی اپنا چہرہ ہرگز نہ دکھائے گی، اس غیرت و حمیت کا عورت پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت وہ سارا مہر معاف کر دیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر قاضی صاحب نے حُکم دیا کہ اس واقعہ کو مکارمِ اخلاق کے یادگار واقعات میں درج کیا جائے۔

〈از کتاب انتخاب لاجواب〉

اہلِ سُنت والجماعت

(حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ)

شاہ صاحبؒ اپنے رسالہ تاویل الاحادیث میں فرماتے ہیں:

ثم نشاء ناس ممن یسمون انفسھم اھل السنة والسنة منھم بمراحل ، فتکلفو سالا یغبھم ، ولم یات به بیھم فیا لھم من مصبیة عمت فاعمت والله المستعان

ترجمہ: ''اس کے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جو اپنے کو اہلِ سنت کہتے ہیں حالانکہ سنت اُن سے بمراحل دُور ہے، تو انھوں نے اس میں تکلیف سے بات کہی جس کی ضرورت نہ تھی، اور نہ جس کو ان کے رسول ﷺ لیکر آئے تھے، تو ہائے مصیبت جو لوگوں میں پھیل گئی اور اس نے اندھا بنادیا۔''

پھر رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

ولایذھب علیک ان الطریق المستقم فی ھذه المسئلة وما یشبھھا من التشبیھا کالید والرجل ومن المعادیات وغیرھا ان یمرھا الانسان علی ظواھر ھا، ولایشتغل بکیفیة وجود ھا، ویعیقد فی الجمله ان ما اراد الله ورسوله حق ولا یقول ھذا ولم یرد ھذا، ونحوذلک، ولذلک تری النبی صلی الله علیه وسلم ولا اصحابه ولاالتابعین لھم باحسان یشتغلون بشیء من ذالک وانما جاء الاشتغال به من المعتزله حین استرقوا من الفلاسفة واسترق اھل السنة من المعتزلة فدخل فیھم ایضاً

ترجمہ: ''تم سے یہ مخفی نہ رہے کہ اس مسئلہ میں اس قبیل کی تشبیہات کے دوسرے مسئلوں میں جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ اور پاؤں کا استعمال، اور قیامت ومعادوغیرہ کے مسئلوں میں صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان کو ان کے ظاہر مطلب پر رکھے اور ان کے وجود کی کیفیت سے بحث نہ کرے، اور مجملاً یہ عقیدہ رکھے کہ ان سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی جو مراد ہے وہ حق ہے اور یوں نہ کہے کہ یہ مراد ہے اور یہ مراد نہیں ہے۔ اور نہ اس قسم کی باتیں کریں، ہم دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے ان میں سے کسی چیز سے بحث نہیں فرمائی۔ یہ بحث ومباحثہ اوّل معتزلہ نے شروع کیا، جب انہوں نے فلسفیوں سے ان باتوں کو چرایا اور اہلِ سنت نے انکو معتزلہ سے چرایا، تو یہ چیز ان کے اندر بھی داخل ہوگئی۔''

اب ہم آپ کو اپنے بیان کردہ گذشتہ اُصول کلیہ کو جزئ مسئلوں میں دِکھا کر ثابت کرتے ہے کہ قدمائے اہلِ سنت اور اس کے عہد کے اعتقادات ان مسائل میں کیا تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر و برکت کا زمانہ فرمایا ہے۔

مسئلہ تقدیر یا جبر وقدر:

اعتقادیات میں سب سے پہلے اسی مسئلہ میں گفتگو پیدا ہوئی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا جواب نہ صرف مذہب بلکہ فلسفہ کی زبان سے بھی مشکل ہے، یہ نہ صرف اسلام کا مسئلہ ہے، بلکہ دُنیا کا کوئی مذہب اس سے خالی نہیں، اور حقیقت مذہب کی رُوح اسی معجز العقول معمہ کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس کا جواب نفیاً یا اثباتاً ادعائے لہجہ میں دینا مذہب پر ایک خطرناک حملہ ہے۔

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے دیکھا کہ کچھ اصحابؓ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہو، عرض کی مسئلہ تقدیر پر، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر برافروختہ ہوئے کہ چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا، راوی کا بیان ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے روئے مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں۔ اور فرمایا تم سے پہلی قومیں اسی میں ہلاک ہوئی ہیں، تاکید کرتا ہوں کہ اس میں جھگڑا نہ کرو۔ (ترمذی، قدر، حدیث غریب)

حضرت قاسم بن محمد، حضرت صدیق اکبرؓ کے پوتے، اور مدینہ کے دار الفقہ کے رُکن اعظم تھے۔ ایک دفعہ دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے مسئلہ قدر میں گفتگو کر رہے ہیں فرمایا:

کفوا عما کف اللہ عنہ

ترجمہ: ''جس سے اللہ تعالیٰ خاموش رہا، تم بھی خاموش رہو۔''

پس اس پر یہ عقیدہ کافی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

صفات:

اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء حسنیٰ کے متعلق صحیح راستہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے صفات کے دو اُصول بتائے ہیں، ایک تو یہ کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی ہیں، سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) وغیرہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی ہیں۔ اس لیے وہ ان صفات حسنہ کمالیہ سے متصف ہے اور وہ صفات

اس کیلئے ثابت ہیں۔ دوسرا اُصول یہ ہے کہ لیس کمثلہ شیء (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں) اس لیے ان صفات کی صورت اللہ تعالیٰ میں ایسی نہیں جو بندوں کی صفات کے مثل ہو، لَہٗ سَمعٌ لَا کَسَمعُنَا ، وَلَہٗ بَصَرٌ لَا کَبَصَرُنَا ، وہ سنتا ہے مگر ہمارے سننے کی طرح نہیں، وہ دیکھتا ہے مگر ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، بلکہ وہ اس طرح سنتا اور دیکھتا ہے جو اس کی شانِ عالی کے لائق ہے، اس کی کوئی صفت بندہ میں نہیں پائی جاتی، اور نہ بندہ کی کوئی صفت اس میں پائی جاتی ہے، سبحان اللّٰہ عما یشر کون ، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جس کو مشرک اللہ تعالیٰ میں شریک بتاتے ہیں۔

قرآن کو حادث وقدیم یا مخلوق وغیر مخلوق کہنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدات کی فہرست میں داخل نہ تھا۔ اسلام کی دعوت صرف یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ کہ اس کے من اللہ ہونے کا یقین کامل رکھا جائے۔ سفیان بن عینیہؒ اکابر اہلِ سنت میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے نہایت غضبناک ہوکر فرمایا:

ویحکم القرآن کلام اللّٰہ قد صحبت الناس وادرکتھم ، ھذا عمرو بن دینار ، وھذا ابن المنکدر ، حتی ذکر منصورا ، والاعمش ، ومسعر بن کدام فقال ابن عبلینہ قد تکلموا فی الاعتزال والرفض ، والقدر ، وامروا باجتناب القوم فما نعرف القرآن الا کلام اللّٰہ ومن قال غیر ھذا فعلیہ لعنت اللّٰہ (جزاءافعال العباد بخاری)

ترجمہ: ''افسوس تم پر قرآن خدا کا کلام ہے میں نے بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی ہیں اُن کا زمانہ پایا ہے، یہ ابن دِینار، یہ ابن منکدر، یہاں تک کہ انھوں نے منصور، اعمش، مسعر ابن کدام کا بھی نام لیا، ان لوگوں نے معتزلہ، روافض، اور قدریہ پر اعتراضات کیے اور ان سے بچنے کی تاکید کی، ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے، اس کے سوا جس نے اور کچھ کہا، اس پر خدا کی لعنت۔''

حافظ ابواحمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

ما یعرف من الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم الخوض فی القرآن

ترجمہ: ''صحابہ کرامؓ سے قرآن میں مطلق بحث منقول نہیں۔''

منصور بن عمارؒ ایک محدث ہیں۔ ان سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ کلام الٰہی عین خدا ہے یا جز خدا ہے یا غیر خدا ہے، انہوں نے جواب دیا ''اللہ تعالیٰ ہم سب کو فتنہ سے بچائے، اہل السنّت والجماعۃ میں سے بنائے پیغمبروں کے بعد بندوں کے لیے خدا پر کوئی حجت نہیں ہے ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی نسبت یہ بحث

بدعت ہے جس میں سائل اور مجیب دونوں شریک ہیں، سائل اس میں پڑتا ہے جو اس پر فرض نہیں اور مجیب بتکلف وہ کرتا ہے جو اس پر فرض نہیں، خدا کے سوا میں کسی کو خالق نہیں کہتا، اور اس کے سوا سب مخلوق ہے، قرآن خدا کا کلام ہے اس کے بعد رک جاؤ، قرآن کی کوئی صفت اپنی طرف سے نہ کرو ورنہ گمراہ ہو گے۔"

(جزاء افعال العباد بخاری) اس قسم کے اقوال اور ائمہ سے بھی ثابت ہیں۔

استواء:

اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، اور ہر جگہ ہے، قرآن مجید میں یہ دونوں باتیں مذکور ہیں، یہ بھی ہے کہ:

اینما تولوا فثم وجه الله

ترجمہ: "جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی خدا ہے"

یہ بھی مذکور ہے۔

الرحمن علی العرش استوی

ترجمہ: "خدا تخت پر برابر ہوا"

بعض ائمہ ان آیتوں کے معنی یہ لیتے ہیں کہ خدا وجوداً آسمان پر ہے لیکن اپنے علم کی رو سے وہ ہر جگہ ہے۔ جہمیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا اپنے وجود کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے الرحمن علی العرش استوی کے معنی دریافت کئے انہوں نے سن کر سر جھکا لیا پھر فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة

ترجمہ: "استواء کے معنی معلوم ہیں، اس کی کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اسکی نسبت بحث وسوال کرنا بدعت ہے۔"

درحقیقت امام مالکؒ نے ان چند فقروں میں قدمائے اہل السنۃ کے اُصول کلیۃ کی تعلیم فرمادی ہے، یہی وہ اُصول ہے جو ہر قسم کے ایرادات اور اعتراضات کے لیے سپر ہے انہوں نے اس کی وجہ بھی ظاہر کردی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر تمھارے اعتقادات کی بنیاد جدل ومناظرہ اور دلائل عقلی پر ہے تو بالکل ممکن ہے کہ کل تم سے زیادہ پُر زور اور بولنے والا آدمی تمہارے سامنے آجائے اور اپنے دلائل سے تمہیں معقول کردے، تو کیا تم اپنا مذہب چھوڑ دو گے، اور پرسوں اس سے زیادہ طبیعت دار اور چلتا ہوا تم سے دوبدو ہوا اور وہ کل کے دلائل کو جن کو سن کر تم معقول ہو گئے تھے پرزہ پرزہ کردے تو کیا پھر اپنا نیا مذہب بھی بدل دو گے، اور

اسی طرح ہر نئے دن کے آفتاب کے ساتھ ساتھ تمہارا مذہب نکلتا ڈوبتا رہے گا۔

بعض شبہات کا ازالہ:

یہ پورا سلسلۂ مضمون پڑھ کر ممکن ہے کہ بعض صاحبوں کو یہ شک پیدا ہو کہ اہل السنۃ مذہب کا عقل کے موافق ہونا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔

اس سوال کے حل کرنے میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں، اوّل یہ کہ ہم مذہب کو جن عقائد و اعمال کا مجموعہ سمجھتے ہیں ان کا اُس قدر حصہ جس کو صاحبِ شریعت نے ہم پر کھول دیا ہے اور جو درحقیقت مذہب ہے، اس کے تمام اُصول وفروع بھی ہم کو بتا دیئے ہیں، اس کا ایک ذرّہ خلافِ عقل نہیں ہے، اسکے دلائل وہی صحیح ہیں جو خود شریعت نے اپنے دعوؤں کے ساتھ پیش کئے ہیں، اور وہ تمام تر عقل کے مطابق ہیں، لیکن وہ حصہ جو درحقیقت مذہب کا جز نہیں، یعنی ہمارے علم کلام کے وہ عناصر جو قرآن اور سنت صحیحہ سے ماخوذ نہیں، اور جو باہمی فرقوں کے کلامی مناظروں کی پیداوار ہیں، ممکن ہے کہ وہ خلافِ عقل اور مجموعۂ محالات ہو لیکن وہ درحقیقت ہمارے دِین کا جزء نہیں۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ جب ہم ایک شے کو خلافِ عقل کہنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ عقل نے مسلم طور سے ایک بات پہلے سے طے کر دی ہے، جس کے دلائل اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتے، اب مذہب اس کے خلاف ایک دوسری بات کہتا ہے، جس کو مان لینا ایک ثابت شدہ عقلی مسئلہ کو باطل کر دینا ہے، لیکن ذرا غور کیجیے کہ مذہب اور عقل کے درمیان جو مسائل متنازع فیہ کہے جاتے ہیں کیا اُن کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ عقل نے مضبوط اور مستحکم دلائل سے اس طرح ان کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ قطعی ہو گئے ہیں، اور اُن کے خلاف کہنا ایک ثابت شدہ مسئلہ کا انکار ہے، حقیقۃً ایسا نہیں ہے، اس لیے کسی شے کو خلافِ عقل کہہ دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقلیں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتیں، اور یہ سچ ہے۔ ﴿جاری ہے﴾

—————★★★★★—————

قبولیت نماز کی نشانی: فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ نے کہ اگر ایک حاضری میں بادشاہ ناراض ہو جائے تو کیا دوسری حاضری میں وہ دربار میں گھسنے دے گا؟ ہرگز نہیں۔ بس جب تم ایک مرتبہ نماز کیلئے مسجد میں آ گئے، اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہو گئی اور تم مقبول ہو۔ (از ملفوظاتِ حکیم الامت تھانویؒ)

جنوبی افریقہ سے ایک خط

(از جناب پروفیسر ڈاکٹر سیّد سلمان ندوی مدظلہٗ فرزند حضرت علامہ سیّد سلیمان ندویؒ)

ڈربن ۲۸ شوال ۱۴۲۶ھ

۱۰ نومبر ۲۰۰۵ء

برادرِ مکرم ڈاکٹر فدا محمد صاحب حفظکم اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

؎ گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

خُدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ ڈاکٹر عالم خان صاحب کے توسط سے آپ کا قیمتی تحفہ ''مردِ دَرویش'' سرمہ بصیرت ہوا۔ میں نے ایک ہی نشت میں پوری کتاب پڑھ لی۔ آپ نے اشرف صاحب مرحوم کی شخصیت کا پورا نقش کھینچ دیا ہے اور صحیح عکاسی کی ہے۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء بہت خُوب لکھا ہے۔ میں خود بھی اُن کی ابتدائی زندگی اور جوانی وشباب کے زمانہ سے تا آخر اشرف صاحب مرحوم کے خلوص و اخلاص ومحبت وشفقت کا شکار رہا ہوں۔ آپ نے بہت بڑا قرض اُتار دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وحیات سے نوازے تا کہ آپ اپنے شیخ کے افادات کو دوسروں تک پہنچاتے رہیں۔

آپ سے ملاقات کا جی چاہتا ہے۔ کم از کم فون پر ہی بات ہوجائے، میں انشاء اللہ ۷ دسمبر کو چند ہفتوں کے لئے کراچی آؤں گا۔ کوشش کروں گا کہ آپ سے فون پر بات ہوجائے۔

ڈاکٹر عالم صاحب کو میں نے اُن کے ای میل پر کتاب کی رسید وشکریہ لکھ دیا ہے۔ احباب کو سلام

والسلام

محتاجِ دُعاء

سیّد سلمان ندوی

﴿جناب پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب کو مبارک باد﴾

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ جناب قیصر علی صاحب کو صوبہ سرحد اور پاکستان کے زلزلہ میں پہلے (پی. ایچ. ڈی) اسٹرکچر انجینئر کی ڈگری حاصل کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ مزید یہ کہ موجودہ زلزلہ کے سلسلے میں زلزلہ زدہ علاقے کا دورہ کر کے اس سلسلے میں جو وزیرِ اعظم پاکستان کے لئے سفارشات مرتب کرنے کی ٹیم میں آپ کی شمولیت ہوئی، اللہ تعالیٰ ان مساعی کو قبول فرمائے اور آپ کے لئے سرمایۂ آخرت بنائے۔ آمین

موصوف اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کے اَساسی افراد میں سے ہیں اور اِدارہ کی اشاعتی کوششوں میں آپ کا حصہ ہے۔

——————★★★★★——————

کم خرچہ میں گھر چلانے کا واقعہ:

معین الدین انار کی صاحبزادی سُلطان نورالدین محمود زنگی رحمتہ اللہ علیہ کی بیگم تھیں۔ سُلطان نورالدین محمود زنگیؒ سے ان کی شادی ۵۴۱ھ ۱۱۴۷ء میں ہوئی۔ وہ نہایت اعلیٰ سیرت اور کردار کی مالکہ تھی۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور سُلطان جو معمولی رقم اسے دیتا اسی سے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔

ایک دفعہ اس نے سُلطان سے کہا کہ آپ جو کچھ مجھے دیتے ہیں، اس سے گھر کا خرچ بمشکل پورا ہوتا ہے، اسلئے میرے نفقہ میں کچھ اضافہ کر دیجئے۔ سُلطان نے خشمگین ہو کر جواب دیا۔

”میرے پاس تین دُکانوں کے کرایہ کی آمدنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم کو اسی قدر آمدنی پر گزر اوقات کرنی ہوگی۔ خُدا کی قسم! میں تمہاری خاطر اپنے پیٹ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بھروں گا، اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے قبضے میں بڑے بڑے ملک اور اُن کے خزانے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ سب کچھ عام مسلمان کا ہے، میں تو صرف ان کا خزانچی ہوں۔ مجھے مطلق اختیار نہیں ہے کہ سرکاری خزانہ کو اپنی ذات یا اپنے اہل و اعیال پر صرف کروں۔ یہ مال دُشمنانِ خُدا کے خلاف جہاد یا مسلمانوں کی بہبود کے کاموں کے لئے وقف ہے۔ حمص کی تین دُکانیں میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کو فروخت کر ڈالو یا ان کا کرایہ وصول کرتی رہو۔“ بیگم بھی بڑی باخُدا خاتون تھی، سُلطان کا جواب سُن کر خاموش ہوگئی اور پھر زندگی بھر ان سے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ نہ کیا۔ 〈از محاسنِ اسلام، فروری 2004ء〉